رسائل و مسائل

تجارتی حصص اور کرائے پر دی جانے والی اشیاء کی زکوٰۃ

سوال (۱) تجارتی حصص کی زکوٰۃ کے بارے میں جولائی ۶۲ء اور نومبر ۶۰ء جلد ۳۵ عدد ۱ کے ترجمان القرآن میں آپ کی تحریریں سامنے ہیں۔

اصول کا تقاضا یہ ہے کہ شرکت پر دیئے ہوئے سرمائے کی زکوٰۃ صرف ایک بار وصول کی جائے۔ اس اصول کے مطابق اگر آپ کی نومبر ۶۰ء کی تحریر کے مطابق کمپنی سے زکوٰۃ یکجا وصول کر لی جائے تو پھر افراد سے ان کے مملوکہ تجارتی حصص پر نہیں وصول کرنا چاہیے۔ یہ بات بھی محلِ نظر ہے کہ "جو حصہ دار قدر نصاب سے کم حصے رکھتے ہوں یا جو ایک سال سے کم اپنے حصے کے مالک رہے ہوں۔ ۔ ۔" ان کو مستثنیٰ کرکے کمپنی سے حصص پر زکوٰۃ لی جائے۔ اکثر اوقات اس کا پتہ لگانا مشکل ہے کہ جو حصہ دار ایک مخصوص کمپنی میں نصاب سے کم قیمت کے حصے کا مالک ہے وہ خود صاحبِ نصاب ہے کہ نہیں۔

مسئلے کا ایک اور پہلو قابلِ توجہ ہے۔ افراد سے ان کے مملوکہ حصص پر زکوٰۃ لینے اور کمپنی کے جملہ حصص پر زکوٰۃ لینے کے معاشی اثرات بالکل مختلف ہوں گے کمپنی کے لیے یہ ممکن ہوگا کہ وہ سالانہ زکوٰۃ کی رقم کو اپنی لاگت کا ایک مستقل جز سمجھ کر اسی حساب سے اپنے مال کی قیمت بڑھانے کی کوشش کرے۔ کیونکہ ضروری نہیں کہ پوری زکوٰۃ نفع ہی سے ادا کرنا ہمیشہ ممکن ہو یا ہمیشہ زکوٰۃ دینے کے بعد بھی حصہ داروں کو دینے کے لیے کچھ نفع بچ رہے۔ افراد سے زکوٰۃ لی جائے تو قیمتوں پر یہ اثر نہیں

مرتب ہو گا۔

اسی ترجمان کے صفحہ ۲۲ پر کرایہ پر دی جانے والی اشیاء کے قابل زکوٰۃ ہونے کی رائے ظاہر کی گئی ہے۔ اگر یہ رائے صحیح ہے تو اس اصول کا اطلاق کرایہ پر چلائی جانے والی ٹیکسی، ٹرک اور بسوں کی مالیت پر بھی ہونا چاہیے۔ اسی طرح جو شخص متعدد مکانات اور دوکانوں کا مالک ہو اور ان کو کرایہ پر اٹھاتا ہو اس سے بھی مکانات کی جملہ مالیت کا ڈھائی فی صد ٹیکس وصول کرنا چاہیے۔ مجھے ان دونوں شکلوں میں زکوٰۃ کے وجوب پر دو وجہوں سے شبہ ہے۔ پہلی وجہ یہ کہ سلف سے آج تک کرایہ پر دیئے جانے والے مکانات کی جملہ مالیت پر زکوٰۃ واجب ہونے کی رائے یا اس پر عمل سننے میں نہیں آیا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ کتاب الاموال صفحہ ۳۷۶ کی لیث بن سعد کی جو روایت آپ نے دلیل کے طور پر پیش کی ہے، اس سے یہاں استدلال صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ کرایہ کے اونٹوں کا کرایہ پر چلانا وجوبِ زکوٰۃ کا سبب نہیں ہے، بلکہ وجوب زکوٰۃ کی بنا ان کا اونٹ ہونا ہے۔ امید ہے کہ اس مسئلہ پر مزید روشنی ڈال کر یہ کھٹک دُور کریں گے۔

جواب ۔ زکوٰۃ کے متعلق نومبر ۶۰ء کے ترجمان میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ حکومت کے سوالنامے کا جواب تھا۔ اس میں جواب اس مفروضہ پر دیا گیا تھا کہ سرکاری طور پر کمپنیوں سے زکوٰۃ وصول کی جائے گی۔ جولائی ۶۲ء کے ترجمان میں ایک سوال کا جواب اس مفروضے پر دیا گیا ہے کہ کمپنی زکوٰۃ نہیں نکالے گی بلکہ ایک حصہ دار اپنی زکوٰۃ خود نکالے گا۔ اس فرق کو نگاہ میں رکھ کر آپ دونوں جوابات کو پڑھیں۔ کمپنی جب زکوٰۃ نکال دیگی تو ایک ایک حصہ دار کی الگ الگ زکوٰۃ نکلنے کا پھر کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ کمپنی کے لیے یہ مشکل ہے کہ ایک ایک حصہ دار کے متعلق یہ تحقیق کرے کہ وہ بجائے خود صاحبِ نصاب ہے یا نہیں۔ یہ تو ایسے حصّہ داروں کا اپنا کام ہے کہ وہ کمپنی کو اپنے صاحبِ نصاب نہ ہونے کی اطلاع دیں تاکہ ان کے ذمہ کی زکوٰۃ محسوب نہ ہو۔

تحصیلِ زکوٰۃ اگر سرکاری انتظام میں ہو تو محصّلِ زکوٰۃ سے یہ بات نہیں چھپ سکتی کہ کمپنی نے اپنی نکالی ہوئی زکوٰۃ کو اپنے کاروباری مصارف میں شمار کر کے قیمتیں بڑھائی ہیں۔ اس چیز کی روک تھام سرکاری طور پر ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر سرکاری انتظام نہ ہو تو اس صورت میں صرف وہی کمپنی بطورِ خود اپنی زکوٰۃ نکالے گی جس کے چلانے والوں میں کوئی دینی حس موجود ہو گی۔ ایسے لوگوں سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ ایک ہاتھ سے زکوٰۃ نکال کر دوسرے ہاتھ سے اس کو وصول کرنے کی تدبیریں اختیار کریں گے۔ اور بالفرض اگر وہ ایسا کریں تو دوسرے سال ان پر زکوٰۃ زیادہ لگ جائے گی۔ پھر قیمتیں بڑھائیں گے تو زکوٰۃ کے حساب میں مزید اضافہ ہو گا یہاں تک کہ آخر کار قیمتیں بڑھانا ممکن نہ رہے گا۔

کرایہ پر دی جانے والی اشیاء کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا تھا وہ مختصر تھا اس لیے بات واضح نہ ہو سکی۔ میرا مدعا یہ ہے کہ جو لوگ فرنیچر یا موٹریں یا ایسی ہی دوسری چیزیں کرائے پر چلانے کا کاروبار کرتے ہیں ان کے کاروبار کی مالیت اُس منافع کے لحاظ سے مشخص کرنی چاہیے جو اس کاروبار میں ان کو حاصل ہوتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس فرنیچر یا ان موٹروں کی قیمت پر زکوٰۃ محسوب کی جائے جسے وہ کرائے پر چلاتے ہیں۔ کیونکہ یہ تو وہ آلات ہیں جن سے وہ کام کرتے ہیں اور آلات کی قیمت پر زکوٰۃ نہیں لگتی۔ دراصل اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک کاروبار جو منافع دے رہا ہو اُس کی بنا پر یہ رائے قائم کی جائے گی کہ اس قدر منافع دینے والے کاروبار کی مالیت کیا قرار پانی چاہیے۔ رہے کرایہ کے مکانات تو ان کے بارے میں مجھے بھی اس بنا پر تامل ہے کہ سلف سے ان پر زکوٰۃ لگائے جانے کا ثبوت نہیں ملتا۔

"الابل العوامل" (کام کرنے والے اونٹوں) پر زکوٰۃ نہ لگنے کی وجہ وہی ہے جو مَیں نے پہلے بیان کی ہے کہ ایک آدمی جن آلات یا حیوانات کے ذریعہ سے کام کرتا ہو ان پر زکوٰۃ نہیں لگتی۔ مثلاً ہل چلانے والے بیل، یا باربرداری کے جانور۔ ان پر زکوٰۃِ مواشی عائد نہ ہو گی۔ اسی طرح ڈیری فارم کے جانوروں پر زکوٰۃِ مواشی عائد نہ ہو گی۔ ان کی زکوٰۃ تو اُس پیداوار پر زکوٰۃ لگنے کی

صورت میں وصول ہو جاتی ہے جو اُن کے ذریعہ سے حاصل کی گئی ہو۔ کرایہ پر چلائے جانے والے اونٹوں پر بھی عوامل کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس لیے ان پر بھی زکوٰۃ مواشی عائد نہ ہونی چاہیے اور نہ ان کی مالیت پر زکوٰۃ لگنی چاہیے۔ بلکہ اس کرایہ کے کاروبار کی جو GOODWILL مشخص ہو اس پر زکوٰۃ لگنی چاہیے۔

سوال (۲) تجارتی حصص کی زکوٰۃ سے متعلق آپ کی وضاحت کے بعد بھی ایک مسئلہ حل طلب رہ جاتا ہے۔ وہ یہ کہ تحصیلِ زکوٰۃ کے اعتبار سے ان دو شکلوں کو برابر کی متبادل شکلوں کی حیثیت نہیں دی جا سکتی کہ حصہ داروں سے حصص کے بازاری نرخ کے مطابق زکوٰۃ وصول کر لی جائے یا کمپنی سے تجارت کی زکوٰۃ کے اصول پر زکوٰۃ وصول کی جائے۔ دونوں شکلوں میں وصول کی جانے والی زکوٰۃ میں مقدار کے اعتبار سے زبردست فرق ہونا لازم ہے۔

حسابِ زکوٰۃ میں اس تفاوت کے پیشِ نظر ضروری ہے کہ یہ بات متعین کر دی جائے کہ زکوٰۃ دونوں طریقوں میں سے کس طریقہ سے وصول کی جائے گی۔

کرایہ پر چلائی جانے والی اشیاء کی زکاۃ کا مسئلہ بھی واضح نہیں ہوا۔ آپ نے جو شکل تجویز فرمائی ہے یعنی کاروبار کی GOODWILL اور منافع کی بنیاد پر اس کی مجموعی مالیت کا اندازہ لگایا جائے اس پر متعدد اعتراض وارد ہوتے ہیں۔ پہلا یہ کہ اس طرح قابلِ زکوٰۃ مال کا حساب کم سے کم ان اشیاء کی مجموعی قیمت کے برابر اور بعض اوقات اس سے زیادہ آئے گا، کیونکہ اگر کاروباری ادارہ پرانا اور اچھا ہے تو GOODWILL کی مالیت خاصی ہو گی۔ دوسرا یہ کہ اس شکل کو اختیار کرنے کی شرعی دلیل کیا ہے؟ سلف سے اس طرح کی کوئی شکل منقول نہیں جب کہ کشتیوں، سواری کے جانوروں، مکانات، دوکانوں وغیرہ کو کرایہ پر چلانے کا رواج قدیم ہے۔ تیسرا اعتراض یہ ہے کہ شریعت نے بعض واضح

مصالح کے پیش نظر مال ظاہر اور مال باطن کے درمیان فرق کیا ہے اور مال باطن کی مقدار کا اعلان صاحب مال کے اوپر چھوڑ دیا ہے۔ اگر محصّل زکوٰۃ اور اس شخص کے درمیان اختلاف ہوتا ہے جو کرایہ پر چلانے کا کاروبار کرتا ہے تو فیصلہ کیسے ہوگا؟

امید ہے کہ مسئلہ کے ان پہلوؤں پر غور فرما کر اپنی رائے سے مطلع فرمائیں گے۔

جواب: کمپنیوں کی زکوٰۃ کے معاملہ میں دو ہی شکلیں ممکن ہیں۔ یا تو اسلامی حکومت موجود ہوگی اور تحصیل کا باقاعدہ انتظام کرے گی، یا کوئی اجتماعی انتظام نہ ہوگا اور احساسِ فرض رکھنے والے افراد کو خود اپنی زکوٰۃ نکالنی ہوگی۔ پہلی صورت میں کمپنی کے سارے حسابات دیکھ کر فیصلہ کیا جائیگا اور جن اثاثوں پر زکوٰۃ عائد نہیں ہوتی ان کو حساب سے ساقط کر دیا جائے گا، لیکن دوسری صورت میں منفرد حصہ داروں کے لیے اس طرح کے حسابات معلوم کرنا مشکل ہے۔ وہ تو لامحالہ اپنے لگائے ہوئے سرمایہ کی ہی زکوٰۃ نکالیں گے۔

کرایہ پر چلانے کے کاروبار کی زکوٰۃ کا معاملہ اچھا خاصا پیچیدہ ہے۔ اس میں متعدد اصولی اشکالات کو میں خود بھی محسوس کرتا ہوں اور اس باب میں احادیث و آثار سے بھی کوئی واضح رہنمائی نہیں ملتی۔ اس میں بڑی مشکل یہ ہے کہ جس سامان کو کرایہ پر چلایا جاتا ہے وہ مال تجارت کی تعریف میں نہیں آتا۔ بلکہ آلاتِ پیدائش سے اشبہ ہے۔ اس لیے اس کی قیمت پر زکوٰۃ عائد کرنا درست نہیں معلوم ہوتا۔ اس کو خارج کرنے کے بعد اس کاروبار میں ختم سال پر بجز "نقد موجود" (CASH IN HAND) یا بنک بیلنس کے کوئی چیز بھی نہیں ہوتی جس پر زکوٰۃ عائد ہو۔ حالانکہ کاروبار لاکھوں کا ہوتا ہے۔ بلکہ اب تو اس نوعیت کے کاروبار بہت بڑے پیمانے پر چل رہے ہیں۔ ان وجوہ سے میں نے کاروبار کی "مالیت" کا ایک فارمولا سوچا ہے لیکن یہ بالکل اجتہادی چیز ہے اور اس پر دوسرے اہلِ علم کو بھی غور کرنا چاہیے۔

مالِ ظاہر اور مالِ باطن میں فرق کرتے ہوئے آپ نے جو اعتراض کیا ہے، وہ کچھ زیادہ وزنی نہیں ہے۔ اگر کسی مال کے مالِ باطن ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف ہو، یا مالِ باطن کا جو اعلان صاحبِ مال نے کیا ہو اسے محصّل تسلیم نہ کر رہا ہو، تو ان دونوں صورتوں کا فیصلہ ایک غیر جانبدار عدالت کر سکتی ہے۔ یہ

کوئی ایسی پیچیدگی نہیں ہے جسے حل نہ کیا جا سکتا ہو۔

اُردو زبان اور موجودہ حکمران

سوال۔ آپ اس حقیقت سے بہت زیادہ واقف ہیں کہ مشرق کی عظیم عوامی زبان اردو ہی واحد زبان ہے کہ جس کو ہم دولتین پاک و ہند کی بین المملکتی زبان قرار دے سکتے ہیں عوامی رابطہ مشرقی و مغربی پاکستان کے اعتبار سے بھی اردو ہی بین عوامی زبان کہلائی جا سکتی ہے۔ مغربی پاکستان کی ۹ علاقائی زبانوں میں بھی اردو ہی واحد بین العلاقائی زبان ہے۔

اُردو کی دولت مندی، اعلیٰ استعداد علمی و صلاحیت دفتری حضرت والا سے مخفی نہیں۔ اس کے باوجود آج پندرہ سال کی طویل مدت گزر گئی لیکن اُردو کا نفاذ مغربی پاکستان میں بحیثیت سرکاری، دفتری، عدالتی اور تعلیمی زبان نہ ہو سکا۔

جناب وزیر قانون حکومت پاکستان کے انکشافات آپ کی نظر سے گذرے ہونگے۔ موصوف نے اپنے ارشادات میں واضح کیا ہے کہ ۱۹۷۲ء تک انگریزی استعمال کی جا سکتی ہے، یا انگریزی کا استعمال کیا جائے گا۔ اور ۱۹۷۲ء میں ایک کمیشن قائم کیا جائے گا جو اس بات کا جائزہ لے گا کہ انگریزی کے بجائے کونسی زبان متبادل ہو گی۔ عزیز صاحب موصوف کے متذکرہ صدر ارشادات سے شیدایانِ اردو کو از حد صدمہ ہوا۔ اور بڑی حد تک مایوسی طاری ہو گئی۔

مجھ جیسے کروڑہا شیدایانِ اردو کی جانب سے اس وقت زبان اردو کو آپ کی طاقتور معاونت کی شدید ضرورت ہے۔ ازراہِ کرم اس خصوص میں اپنے بصیرت افروز ارشادات سے میری رہنمائی فرمائیں[۱]

جواب۔ اُردو زبان کے لیے آپ جو کوشش فرما رہے ہیں، میں ان کی تہ دل سے قدر کرتا ہوں۔

[۱] قارئین کے لیے اس امر کا علم موجبِ دلچسپی ہو گا کہ یہ سوال ایک طویل خط کا اقتباس ہے، جو ایک غیر مسلم پاکستانی کا

اردو زبان کے راستے میں اصل رکاوٹ صرف یہ ہے کہ ہمارے حکمرانوں کا بالائی طبقہ چونکہ خود انگریزی ماحول میں پلا ہوا ہے اور اردو لکھنے بولنے پر قادر نہیں ہے، اس لیے وہ چاہتا ہے کہ اس کے جیتے جی ساری قوم پر انگریزی زبان مسلط رہے۔ پھر یہ لوگ اپنی اولاد کو بھی انگریزیت ہی کے ماحول میں پرورش کر رہے ہیں، اور اس بات کا انتظام کر رہے ہیں کہ حکومت کی باگ ڈور آئندہ انہی کی نسل کے قبضے میں رہے۔ اس لیے ۱۹۷۲ء میں بھی اس امر کی کوئی امید نہیں کی جاسکتی کہ اردو زبان کو یہاں کی سرکاری اور تعلیمی زبان بنانے کا فیصلہ ہو جائے گا۔ کمیشن کی تجویز صرف طفل تسلی کے لیے ہے تاکہ وقت ٹالا جائے اور مطالبہ کرنے والوں کو فی الحال کم از کم دس سال کے لیے چپ کرا دیا جائے۔ ہماری مصیبتوں کا کوئی حل اس کے سوا نہیں ہے کہ ان دیسی انگریزوں سے کسی نہ کسی طرح پیچھا چھڑایا جائے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ انگریز خود تو چلا گیا ہے مگر اس کا بھوت ہمیں چمٹ کر رہ گیا ہے۔

حضرت مسیحؑ کی بِن باپ کے پیدائش

سوال - لوگوں کا ایک طبقہ ایسا ہے جو یہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ ان کا طرزِ استدلال یہ ہے کہ جب فرشتے نے حضرت مریمؑ کو خوشخبری سنائی کہ ایک پاکیزہ لڑکا تیرے بطن سے پیدا ہوگا تو انہوں نے جواب دیا کہ میری تو ابھی شادی بھی نہیں ہوئی اور نہ میں بدکار ہوں۔ جب خدا کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی اگر اس وقت حضرت مریم کو کنواری مان لیا جائے اور بعد میں یوسف نجار سے ان کی شادی ہو گئی ہو اور اس شادی کے بعد حضرت مسیحؑ کی پیدائش ہو تو کیا خدائی وعدہ سچا ثابت نہیں ہوگا؟

ان کا دوسرا استدلال یہ ہے کہ خدا اپنی سنت نہیں بدلتا اور اس کے لیے وہ

✽ نے لکھا ہے اور جس میں اردو زبان کی ترویج پر بہت زور دیا گیا ہے۔ (ترجمان)

قرآن کی ایک آیت پیش کرتے ہیں: "وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا"۔ وہ کہتے ہیں کہ لڑکے کی پیدائش ایک عورت اور ایک مرد کے ملاپ کا نتیجہ ہے کیونکہ ازل سے یہ سنت اللہ ہے اور یہ اب تک قائم ہے۔

براہ کرم واضح کریں کہ یہ استدلال کہاں تک درست ہے، اگر وقت کی کمی کے باعث طویل جواب لکھنا آپ مناسب نہ سمجھیں تو کتابوں کا حوالہ ہی ہمارے لیے کافی ہوگا۔

جواب: میں نے اپنی تفسیر تفہیم القرآن میں سورۂ آل عمران اور سورۂ مریم کی تفسیر کرتے ہوئے بالتفصیل کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بے باپ پیدا ہونے کے دلائل دیئے ہیں۔ ان کو ملاحظہ فرمائیے۔ اس کے بعد آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ حضرت مسیح کی معجزانہ ولادت کے منکرین کا استدلال کہاں تک درست ہے۔

یہ کہنا کہ اللہ اپنی سنت نہیں بدلتا، اپنی جگہ صحیح ہے۔ مگر اللہ کی سنت کیا ہے اور کیا نہیں ہے اس کا فیصلہ کرنے والے ہم نہیں بلکہ اللہ خود ہی ہے۔ جس چیز کو خدا نے خود اپنی سنت کہا ہو اس کے خلاف تو کچھ نہیں ہو سکتا۔ مگر جسے ہم اس کی سنت قرار دے لیں اس کے خلاف بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اللہ نے اس کی پابندی کا کوئی ذمہ نہیں لیا ہے۔ آخر اللہ نے یہ کب کہا ہے کہ مرد کے بغیر عورت کے ہاں بچہ پیدا ہونا میری سنت کے خلاف ہے، یا میری سنت یہ ہے کہ عورت کے ہاں صرف مرد کے ملاپ ہی سے بچہ پیدا ہو سکتا ہے۔ بنی نوع انسان کے اولین فرد اور اس کے جوڑے کی پیدائش آخر کس مرد اور عورت کے ملاپ کا نتیجہ تھی؟ اللہ نے خود فرمایا ہے کہ ہم نے حضرت آدم کو مٹی سے پیدا کیا اور ان کے جوڑے کو ان سے پیدا کیا۔ اگر اس جوڑے کی پیدائش سنت اللہ کے خلاف نہیں تو حضرت مسیحؑ کی بغیر والد کے پیدائش کیوں سنت اللہ کے خلاف ہے؟ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے خود بھی مسیح علیہ السلام کی پیدائش کو آدم علیہ السلام کی پیدائش سے تشبیہ دی ہے۔ "اِنَّ مَثَلَ عِيسٰى كَمَثَلِ اٰدَمَ، خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔ (آل عمران: آیت ۵۹)" "درحقیقت عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم جیسی ہے جسے اللہ نے مٹی سے بنایا، پھر فرمایا کہ ہو جا اور بس وہ ہو گیا۔"